MIL Urdu Sem 1st/2nd
Unit: IInd

تشریح علامہ اقبال
غزل ① صفحہ نمبر ⑯

Date

①

(علامہ اقبالؒ)

غزل نمبر (1)

① کبھی اے حقیقتِ منتظر، نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

علامہ اقبالؒ کی یہ غزل اُن کی مقبولِ عام غزلوں میں سے ایک غزل ہے۔ اس غزل میں حقیقی و مجازی تعلق کے حوالے سے علامہؒ اقبال نے خدا کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کچھ راز و نیاز کی باتیں کی ہیں۔ اس شعر میں وہ مالکِ حقیقی سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے مالک بے شک تو میرے دل میں ہر وقت موجود ہے۔ تیرا خیال ہر وقت میرے ذہن میں موجود ہے۔ لیکن پھر بھی میری خواہش ہے کہ کسی دن تو اپنا مجازی رنگ و روپ میں سامنے آکر مجھ سے ملاقات کر کیونکہ ہر وقت تیرے سامنے سجدہ کرنے والی میری اس پیشانی میں ایسے ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہوتے ہیں جو صرف اور صرف تجھے کسی پیکر کے وجود میں دیکھنے کے بعد ہی ادا ہو سکتے ہیں۔ اقبال نے اپنے اس جذبے کے لیے "حقیقتِ منتظر" کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی ایک ایسی سچائی جس کا اُسے ہر وقت انتظار ہے۔

Scanned with CamScanner

Date

(2)

(۳) طربِ آشنائے خروش ہو، تُو نوائے محرمِ گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہو سکوتِ پردۂ ساز میں

علامہ اقبال اس شعر میں فرماتے ہیں کہ اگر خوشی کی کوئی آواز ہے تو اسے ہمارے کانوں تک پہنچنا ہی چاہئے یعنی اگر کوئی خوش خبری ہو تو اس کو سننے سے ہمارے کان محروم نہیں رہنے چاہئے۔ کوئی بھی اچھی خبر اُسی صورت میں اچھی ہے جب تک کہ آپ اُسے سُن نہ لیں اُس ساز کا کیا فائدہ (سرود) جو اپنے ہی پردے کی خاموشی میں چھپا ہوا ہے اور اسی وقت آواز دیتا ہے جب ہم اس پر اپنی انگلیوں کی چوٹ کرتے ہیں۔

(۳) تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

اس شعر میں علامہ اقبال ہم سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ اے انسان تجھے خدا نے ایک آئینے کی طرح بڑا کمزور اور نازک بنا کر بھیجا ہے اور تیری ساری زندگی اپنے وجود کے اس کمزور آئینے کو بچانے میں نکل جاتی ہے۔ تو تمام عمر اپنے وجود کو زندہ رکھنے کے لئے ہزاروں حیلے اور بہانے کرتا ہے۔ تیری ہر وقت یہ کوشش

Date

③

رہتا ہے کہ تو موت سے بچتا پھرے لیکن اے انسان میں

تجھے بتانا چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ محنت نہیں کرنی چاہئے کیوں

کہ ایک نہ ایک دن تیرے اس وجود نے مٹی ہو جانا ہوتا ہے۔ اس

لیے میں تم سے گزارش کرتا ہوں کہ شیشوں کی اس دکان یعنی

دنیا میں تو جتنا شکستہ اور کمزور ہو گا اپنے رب کو اتنا ہی

پیارا ہو گا اور اللہ کو یہ پسند ہے کہ انسان اپنی انکساری اور

عاجزی میں رہے۔ یہ آئینہ جتنا کمزور ہو گا جتنا جلدی ٹوٹے

گا، اُتنا ہی اچھا ہو۔

ⓜ دمِ طوفِ کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن

نہ تری حکایتِ سوز میں، نہ مری حدیثِ گداز میں

اس شعر میں علامہ اقبال نے ایک شمع اور پروانے کا مضمون

باندھتے ہوئے ایک خوبصورت منظر بیان کیا ہے جس میں شمع

کا طواف کرتے ہوئے پروانہ شمع سے شکایت کرتا ہے کہ اے شمع

مجھے لگتا ہے نہ تو اب تجھ میں وہ کشش رہی جس کی وجہ سے میں

کھنچا ہوا تمہاری طرف آتا تھا اور تمہاری آگ میں جل کر مر جاتا

تھا اور نہ تمہاری درد کی کہانی میں وہ اثر رہا جو میرے دل

Scanned with CamScanner

Date

(4)

کو تنزل پا سکے۔

مختصر یہ کہ ہم دونوں ہی عشق کے اس ابتدائی جذبے کو کھو چکے ہیں جس میں ہم دونوں بھرپور شدت کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف بڑھے چلے آتے تھے۔

۵۔ نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

- اس شعر میں اقبال اللہ کی اُس خوبی کا ذکر کرتے ہیں جس میں بڑے سے بڑے گناہ کے باوجود اللہ اپنے بندے کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں کہ اے خدا میں نے تیرے احکامات کی پابندی میں روح گردانی کی لیکن اس کے باوجود تو نے ہمیشہ مجھے معاف کیا۔ میرے جیسے گناہ گار کو کہیں بھی جائے پناہ نہیں مل سکتی تھی لیکن تو نے مجھ جیسے خطاکار کو بھی اپنی امان میں لے لیا۔ میں ایسا مجرم تھا جس کی وجہ سے گھروں کے گھر تباہ ہوئے لیکن، تمہاری معاف کرنے کی نعمت نے میرے گناہ بھی بخش دیے اگر تو مجھے معاف نہ کرتا تو دنیا و آخرت میں مجھے کوئی معاف نہیں کرتا۔

(4) نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

اس شعر میں علامہ اقبال اپنی اس محرومی کا ذکر کرتے ہیں جس میں انسان عشق کے مرحلے طے کرنے میں کوتاہی کی۔ اقبال فرماتے ہیں کہ اے محبوب نہ تو میرے عشق میں وہ شدت رہی جو پہلے تھی اور نہ ہی تمہارے حسن میں وہ کشش رہی کہ میں کھنچا ہوا تمہاری طرف دوڑتا چلا آؤں۔

شعر کے دوسرے مصرعے میں علامہ اقبال ایک حکمران محمود غزنوی اور اس کے غلام وزیر ایاز کی دوستی اور محبت کا ذکر کرتے ہیں۔ ایاز ایک معمولی سا غریب آدمی تھا جسکی ایمانداری سے خوش ہو کر بادشاہ نے اُسے اپنا وزیر بنا دیا تھا۔ اقبال اس شعر میں انہی کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب نہ تو میرے عشق میں ایاز جیسا ایماندار غلام رہا نہ اب غزنوی ہی اپنے غلام میں یقین کر پا رہا ہے گویا محبت میں جب کوئی ایک شخص دوسرے کا دل توڑتا ہے تو دونوں میں بدظنی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۷) - جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

یہ شعر علامہ اقبال کی اس غزل کا آخری شعر ہے اور اس شعر میں اقبال نے غزل کے تمام اشعار کے موضوع کو ایک شعر میں سمیٹتے ہوئے غزل ختم کی ہے اقبال اس شعر میں ایک منظر (Scene) تخلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں جب کبھی اپنے مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زمین سے کوئی آواز آ رہی ہے اور وہ آواز شکوہ کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اے اقبال تجھے انسان کے وجود میں زمین پر اتارنے سے پہلے میں نے تم سے اپنی محبت کا وعدہ لیا تھا لیکن تو نے میرے علاوہ بھی بہت سے خدا پیدا کر لیے اور ان کی محبت میں گرفتار ہوتا چلا گیا - تیرے دل میں میرے علاوہ بھی بہت سے صنم اور بت بیٹھے ہوئے ہیں گویا تم نے میرے حصے کی محبت کو باقی لوگوں میں تقسیم کیا ہے اسلئے تو میرے سامنے میری عبادت کرنے کا تماشا نہیں کیا کر تجھے دکھاوے کی اس نماز سے کوئی ثواب نہیں ملنے والا -

تشریح علامہ اقبال

غزل (5) صفحہ (18) Date

غزل نمبر (۲)

① تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ؟
وہ ادب گہِ محبت، وہ نگہ کا تازیانہ!

اقبال کی اس غزل کا بنیادی موضوع بھی "عشق" ہے اور اس غزل کے تمام شعروں میں بھی اقبال نے وہی شکوہ کیا ہے جو وہ عموماً اپنی غزلوں میں کرتے ہیں۔ غزل کے اس شعر میں بھی عشق حقیقی و عشق مجازی کے حوالے سے اپنے ناراض محبوب سے شکایت کرتے ہیں کہ اے دوست ہم بخوبی ایک دوسرے کے دل کے راز کو جانتے ہیں باوجود اس کے ہمیں ایک دوسرے کے سامنے اپنی صفائی دینا پڑ رہی ہے۔ اقبال اپنے دوست سے شکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا تجھے میرے دل کا وہ زمانہ یاد نہیں رہا جب بغیر کسی بات کا اظہار کیے ہوئے ہم ایک دوسرے کی بات سمجھ لیتے تھے۔ کیا تجھے محبت کی وہ محفل بھی یاد نہیں رہی جہاں آنکھوں ہی آنکھوں میں ہم ایک دوسرے کی دل کی بات پڑھ لیتے تھے۔ کیا تجھے اپنی نگاہوں کی وہ برچھی بھی یاد نہ رہی جو تم اکثر میرے دل پر چلاتے تھے۔

Scanned with CamScanner

(4) یہ بتانِ عصرِ حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں

نہ ادائے کافرانہ! نہ تراشِ آزرانہ

اسی شعر کے موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے علامہ اقبال آج کے عاشقوں پر طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آج کے یہ عاشق (جنہیں علامہ اقبال نے بتوں سے تشبیہ دی ہے)، ایسے لگتا ہے جیسے باضابطہ کسی مکتب سے عشق کا سبق پڑھ کر نکلے ہیں۔ نہ تو یہ اپنے احساس سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی جذبات سے۔ اقبال کہنا چاہتے ہیں کہ عشق کا جذبہ بھی بے انتہا ہونا چاہیے لیکن افسوس آج کے محبوب میں نہ وہ کافرانہ ادائیں ہی رہیں اور نہ ویسے عاشق ہی رہے جو آزر کی طرح پتھر کو تراش کے ایسا بت بنا لیتے تھے جو محبوب کے ساتھ باتیں کرنے لگ جاتا تھا۔

(5) نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت

یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ

علامہ اقبال اس شعر میں دنیا کی بے ثباتی اور انسان کی بے وفائی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس اتنی بڑی کائنات

Scanned with CamScanner

Date

(9) سے میرا دل اکتا گیا ہے مجھے اپنے ساتھ وقت گزارنے کے لئے تنہائی کا ایک گوشہ بھی میسر نہیں ہے۔ شعر کے اگلے مصرعے میں حیرت کا اظہار کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں میرے حالات عجیب ہیں۔ نہ تو میں آزاد ہوں نہ قید، نہ میرے پاس کوئی گھر ہے اور نہ ہی کوئی پنجرہ اس بڑی کائنات میں میں اپنے آپ کو بہت تنہا اور اکیلا محسوس کرتا ہوں۔

(ف) رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی
کہ عجم کے میکدوں میں نہ رہی مے مغانہ!

غزل کے اس شعر میں علامہ اقبال اللہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ میں انگور کی ایک بیل کی طرح تمہاری رحمت کی بارش کا انتظار کر رہا ہوں کہ تو مجھ پہ برسے تو سیرے میں جان پیدا ہو۔

مشہور ہے کہ ایران میں ایک طبقہ ہے جو سورج اور آگ کی پوجا کرتا ہے۔ روایتی طریقے سے شراب آگ سے بنائی جاتی ہے اور اس قبیلے کا سب سے بڑا روزگار شراب بنانا ہی ہے، اسی قبیلے کے سردار کو پیرِ مغاں کہا جاتا ہے یعنی قبیلے کا وہ

Scanned with CamScanner

(10) بزرگ جو ساقی کا کام کرتا ہے۔ اس قبیلے کی کشید کی گئی شراب
دنیا کی سب سے اچھی اور نشہ آور شراب سمجھی جاتی ہے۔
عرب کے لوگ عرب کے علاوہ باقی دنیا کو عجم کہتے ہیں۔
اقبال کہتے ہیں کہ اے مالک ہمارے شراب خانوں کی شراب میں
اب وہ اثر نہیں رہا۔ ہم عرب سے یعنی اسلام کے مرکز سے بہت
دور آ گئے ہیں۔ ہماری عشق اور معرفت کی شرابوں میں وہ
نشہ نہ رہا جو ۱۴۰۰ سال پہلے تھا۔

(5)- مرے ہم صفیر اسے بھی اثر بہار سمجھے
انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

اس شعر میں علامہ اقبال ایک پنجرے اور اس میں قید پرندوں
کے منظر کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اچانک پنجرے میں قید
پرندوں نے کچھ میٹھی آوازیں سنی اور انہیں لگا شاید ہماری آزادی
کا وقت آ گیا ہے اور ہماری قسمت کی بہار کی آمد ہے شاید
ہمیں ابھی آزاد ہوئے باقی پرندوں کی طرح چھوڑا جا رہا ہے۔
لیکن اقبال تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسا کچھ بھی نہیں
ہے۔ جس آواز کو یہ محصور پرندے نوائے عاشقانہ سمجھ رہے ہیں

(11) Date

وہ اصل میں دُکھ اور ماتم کی آواز ہے۔ شاعر کچھ اور پرندوں کو

غیر ذکر کرتے لا رہے ہیں۔

تشریح علامہ اقبال
غزل ③ صفحہ ⑲

⑫ Date

غزل نمبر (۳)

① ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں

میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

یہ مطلع علامہ اقبالؒ کی ایک مشہور غزل کا مطلع ہے جس میں وہ اپنے حقیقی و مجازی معشوق سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے محبوب میں تم سے نہ صرف یہ کہ محبت کرتا ہوں بلکہ محبت کی اس انتہا اور بلندی تک پہنچنا چاہتا ہوں جہاں تک مجھ سے پہلے کوئی نہ پہنچا ہو یعنی میں تم سے اتنا محبت کرنا چاہتا ہوں جتنی میری ہمت اور حوصلہ ہے۔

لیکن شعر کے اگلے ہی مصرعے میں شاعر اپنے اس زبانی دعوے سے شرماتے ہوئے کہتا ہے کہ میں بھی معصوم اور بیوقوف ہوں کہ ایک ایسی چیز کرنے کا دعوہ کر رہا ہوں جو میرے بس میں نہیں ہے۔ یہ شعر اس لحاظ سے بھی خوبصورت ہے کہ اس شعر میں اقبالؒ نے ایک معصوم بچے کی طرح ایک ایسی بات کہہ دی ہے جس کو عمل میں لانا ناممکن ہے۔

(۲) ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں

پہلے شعر میں پیش کئے گئے اسی جذبے اور اسی خواہش کو آگے بڑھاتے ہوئے اقبال اپنے محبوب سے گزارش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تو مجھ پر ظلم و ستم اور مشکلات کا یہ سلسلہ ہمیشہ اسی طرح جاری رکھنا بلکہ نہ صرف یہ کہ ستم کرنا بلکہ کسی دن اس وعدے کو بھی پورا کرنا جس میں تو نے کہا تھا کہ میں ایک دن بے پردہ ہو کر تمہارے سامنے آکر تمہارے صبر کا امتحان لوں گا۔

ستم اور وعدۂ بے حجابی ..... انہیں دو مشکلوں کا ذکر کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں کہ میرے محبوب بے شک تو یہ امتحان لے میں بھی اپنا صبر آزمانا چاہتا ہوں کہ میں محبت کے اس امتحان میں کامیاب ہو سکتا ہوں کہ نہیں۔

(۳) یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

علامہ اقبال اس شعر میں سماج کے ایک خاص طبقے پر طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ دنیا اپنے فائدے کے لئے اپنے مالک کے ساتھ

Date

(14)

بھی ایسا رشتہ بنالیتا ہے جس میں لالچ اور عیاری ہوتی ہے
جبکہ خدا اور بندے کا یہ رشتہ بہت ہی پاکیزہ اور ایماندار ہونا
چاہئے۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے اقبالؒ ان سے مخاطب ہو
کر فرماتے ہیں کہ میں بھی اپنے مالک کی عبادت کرتا ہوں لیکن تمہاری
طرح کسی جنت یا فائدے کی لالچ میں نہیں۔ میری عبادت کا اس
بات سے کوئی لینا دینا نہیں کہ میں نے اپنے مالکِ حقیقی کو خوش
کر کے بدلے میں کوئی فائدہ لینا ہے میں تو صرف اس لئے اپنے محبوب
کی عبادت کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے بدلے وہ مجھے قیامت کے دن خود
سے ملنے کا موقع دے اور میں جی بھر کے اس کی زیارت کر سکوں۔

(۲) ذرا سا تو دل ہوں، مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سُنا چاہتا ہوں

اس شعر میں علامہ اقبال اپنے دل کی نمائندگی کرتے ہوئے فرماتے ہیں
کہ مجھے حیرت ہے کہ میں اس جسم میں ایک چھوٹے سے دل کی حیثیت
سے زندگی گزارتا ہوں لیکن چنچل اور شوخ اتنا ہوں کہ میں نے ساری
کائنات اپنے سر پہ اُٹھا رکھی ہے اور میں بار بار وہ ایک بات سُننا
چاہتا ہوں جو روزِ ازل تم نے مجھ سے کہی تھی۔ لیکن میں جب بھی

Scanned with CamScanner

(15)

Date

پریشان ہوتا ہوں تو تنہائی کے عالم میں جاکر اس بات کی خواہش

کرتا ہوں کہ تو مجھے دوبارہ وہ ہمت اور حوصلے والی بات سنا دے۔

(5) کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہلِ محفل

چراغِ سحر ہوں، بجھا چاہتا ہوں

اس شعر میں علامہ اقبالؒ چند سانسوں کی اس زندگی کی بے ثباتی

کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے دوستو میں بھی آپ کے

درمیان ایک مہمان کی طرح ہوں اور اپنے حصّے کی کچھ سانسیں جمع کر میں

بھی آخری سفر کو روانہ ہو جاؤں گا اس لئے ہو سکے تو میری قدر کرو

اے میری محفل میں موجود لوگو میری مثال اس چراغ کے جیسی ہے

جو رات بھر جلتے جلتے اپنی صبح تک آپہنچا ہے اور صبح کے اس چراغ

کو یا تو بجھا دیا جاتا ہے یا پھر خود ہی تھک کر بجھ جاتا ہے۔

(6) بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں، سزا چاہتا ہوں

اقبالؒ کا یہ شعر غزل مقطع ہے اس شعر میں تمام غزل کے مضمون کو

سمیٹتے ہوئے اقبالؒ ہم سے مخاطب ہیں کہ دوستو میں نے یہ باتیں کہہ

کر بڑی بے ادبی کر دی کہ یہ باتیں میرے اور میرے محبوب کے بیچ کی

Date

باتیں تھی اور طے ہوا تھا کہ یہ راز ہمیشہ میرے سینے میں دفن رہیں گے لیکن میں نے جذبات میں آکر یہ باتیں آپ کے ساتھ Share کردی۔

NOTE: اقبال کی جس بھی غزل کی تشریح آئے، اُس کے Start میں یہ تعارفی نوٹ ضرور لکھیں۔ اُس کے بعد تشریح شروع کریں!!

(تعارفی نوٹ)

یہ اشعار اردو کے مشہور شاعر علامہ اقبال کی غزل سے لئے گئے ہیں۔

علامہ اقبال اردو ادب کے سب سے مشہور و معروف شعراء میں سے ایک ہیں۔ اقبال کے بارے میں تنقید نگاروں کا ماننا ہے کہ وہ اپنے اسلوب (Style)، لہجے اور اپنے سلیقے کے بہت ہی انوکھے اور الگ شاعر تھے۔ اردو کے سب سے مشہور شاعر مرزا غالب کے بعد علامہ اقبال کو تفکر کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ ان کا ہر شعر پڑھنے اور سننے والے کو نہ صرف یہ کہ لطف اور مزا دیتا ہے بلکہ اس کی فکر اور سوچ کو متاثر کرتا ہے۔ مشہور ہے کہ علامہ اقبال کی تمام شاعری مقدس کتاب قرآنِ پاک کی مکمل تفسیر ہے یعنی ان کی تمام شاعری کا محور اور مرکز قرآن کی ہی ہدایات و تعلیمات ہیں۔

اردو ادب کی بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ اس کے خزانے میں

Date

اقبال جیسے ایک البیلے شاعر کی شاعری موجود ہے جس نے
غالب اور میر کے بعد اردو ادب کی دنیا کو سب سے زیادہ
مالا مال کیا ہے۔

تشریح علامہ اقبال
غزل نمبر (۴)
صفحہ (20) غزل (6)

(1) ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

(تعارف :۔ اس غزل میں علامہ اقبال نے اُس وقت کے ہندوستانی
سماج بالخصوص مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ تلقین کی ہے کہ
وہ ہزاروں مشکلوں کے باوجود بے حوصلہ نہ ہوں اور اپنی ہمت نہ
ہارے۔ اس غزل کے تمام اشعار اسی موضوع کے اردگرد لکھے گئے ہیں۔
غزل کے اس شعر میں علامہ اقبال نے ہمیں یہ ہمت رکھنے کی گزارش
کی ہے۔)

تشریح :- غزل کے پہلے ہی شعر میں اقبال ہم سے مخاطب ہوتے ہوئے
اور ہمارا حوصلہ بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اپنی
اس وقتی کامیابی سے خوش ہوکر مطمئن نہ ہونا ابھی اس کے بعد
آئندہ زندگی میں اس سے بھی بڑے بڑے امتحان تمہارا انتظار

Date

کر رہے ہیں۔ تمہارے عشق، جنون اور شوق نے ابھی بہت سے مشکل راستوں سے گزرنا ہے۔ تو کامیابی کی ان ابتدائی منزلوں کو ہی اپنا آخری منزل نہیں سمجھنا۔ کیونکہ ان ستاروں کے بعد بھی کئی جہاں اور کائنات تمہارا انتظار کر رہیں ہیں۔

(۳)۔ تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں

یہ شعر بھی غزل کے پہلے شعر کے مضمون کو آگے بڑھاتے لکھا گیا ہے۔ اقبال لگاتار ہم سے گفتگو کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے انسان تمہارے اردگرد کی فضائیں زندگی سے بھری ہوئی ہیں اور ماحول کا ہر ذرہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ہمارے ماحول میں موجود ہر چیز کا ایک زندہ وجود ہے۔ اس لئے جب تک انسان اور کائنات میں زندگی کے آثار موجود ہیں تب تک اسے حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے۔ علامہ کہتے ہیں یہ فضائیں زندگی سے خالی نہیں ہیں اور تو بھی کوئی اکیلا مسافر نہیں۔ زندگی سے بھری اسی کائنات میں تیرے ساتھ اور بھی سینکڑوں اور ہزاروں لوگ چل رہے ہیں۔ انہیں لوگوں سے Inspire ہو کر تو بھی آگے بڑھتا رہ۔

Scanned with CamScanner

Date

شعر: قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اپنا انہیں پاؤں کو آگے بڑھاتے ہوئے اس شعر میں بھی علامہ اقبالؒ ہمارے اردگرد کے ماحول کی مثال دیتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں کہ اے انسان تیرے اردگرد ہزاروں رنگ اور ہزاروں خوشبوئیں ہیں یعنی بہت سی خوشیاں اور کامیابی ہے۔ لیکن تو ابھی کامیابیوں پر قناعت نہ کر اور جو ملا ہے اسی کو کافی سمجھ کر نہ بیٹھ جا۔ تمہارے اس چمن اور آشیاں یعنی گھر اور خوبصورت زندگی کے علاوہ بھی بہت سی منزلیں باقی ہیں۔ تو اپنے ان ٹھکانوں کی تلاش جاری رکھ۔

شعر: اگر کھو گیا اِک نشیمن تو کیا غم!
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

علامہ اقبالؒ اس شعر میں ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو کسی نہ کسی کمزوری کی وجہ سے مایوس اور پریشان بیٹھے ہیں۔ انہیں مایوس اور پریشان حال لوگوں کی ہمت بڑھاتے ہوئے اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو ابھی اپنے اس نشیمن کے کھونے کا غم نہ کر

Scanned with CamScanner

Date

(20)

ابھی اس سے کئی بڑے بڑے حادثے تیرا انتظار کر رہے ہیں۔ اس سفر میں ابھی روشنے اور ماتم کرنے کے بہت سے پڑاؤ آئیں گے۔ اگر تو سفر کے اسی پڑاؤ پر حوصلہ ہار کر بیٹھ گیا تو باقی کی منزلیں کیسے طے کرے گا۔

(۵)- تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اقبال غزل میں پیش کئے گئے مضمون کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ہم سے مخاطب ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اے انسان تیری مثال اس "شاہین پرندے" کی ہے جس کو اپنی ہمت، غیرت، خودی اور حوصلے کی وجہ سے پرندوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے تو کسی معمولی پرندے کی طرح بدلتی ہوا میں حوصلہ نہ ہار۔ تجھے انہیں مشکلوں اور طوفانوں سے لڑنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تیری حیثیت ان لاکھوں کروڑوں پرندوں میں اس پرندے کی ہے جو نہ کسی طوفان سے ڈرتا ہے اور نہ جیسے بلندی سے بلند پرواز کرنے سے خوف آتا ہے۔ اس لئے تو اسی ایک آسمان کی بلندی کا سفر کرتے ہوئے پریشان نہ ہو کیوں کہ جتنا تیرا حوصلہ ہے اس کے مطابق اللہ نے ایسے کئی

Scanned with CamScanner

آسمانوں سے انہیں گزرنے کی ہمت دی ہے ۔ اس شعر میں شاہین کی علامت انسان کے لئے استعمال کی گئی ہے ۔

(4) اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

علامہ اقبال ہم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اس قدر بے ہمت اور بے حوصلہ ہے کہ بہت جلد مایوس ہو جاتا ہے اور اسی طبیعت کی وجہ سے تو بہت چھوٹی منزلیں طے کرتا ہے جب کہ مجھے مالک نے طویل مسافت کے لئے پیدا کیا ہے ۔ تیری طبیعت ایسی ہے کہ تو کسی نہ کسی طرح آج کا دن ختم کرتا ہے اور پھر تھوڑے سے آرام کے بعد دوسرے دن کی تیاری کرنا شروع کر دیتا ہے جبکہ تمہیں اللہ نے اتنے چھوٹے اور عارضی منصوبوں کے لئے تیار نہیں کیا تھا ۔ تو اپنی انہیں کمزور عادتوں کی وجہ سے صبح شام اور دن رات کے چکر میں الجھ گیا ہے جب کہ تو نے کسی ایک زمانے میں نہیں جینا تھا نہ کسی ایک ہی گھر یا آشیانے میں پوری زندگی گزارنی تھی ۔ تیرے سامنے اس آج اور کل کی قید کے علاوہ ہزاروں دور ایسے تھے جن میں تو نے چلنے کا تجربہ حاصل کرنا تھا

(22)

Date

⑦ گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

یہاں اب میرے راز داں اور بھی ہیں۔

غزل کے مقطع میں علامہ اقبال تمام غزل کے مفہوم کو سمیٹتے ہوئے ایک پُر امید پیغام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اس سب کے باوجود اپنی ہمت نہیں ہارا ہوں۔ گزرے کل تک حوصلے اور ہمت کی اس محفل میں، میں شاید ایسا اکیلا شخص تھا جو مضبوط ہمت کی بنیاد پر کھڑا تھا میرے ارد گرد کے تقریباً تمام لوگ اپنا حوصلہ ہار بیٹھے تھے اور میں بھی ان کی وجہ سے کچھ حد تک مایوس ہو چکا تھا لیکن مجھے لگتا ہے کہ میری ان باتوں اور شعروں سے میرے اور بھی کچھ ساتھیوں کا حوصلہ بڑھا ہے۔ کل تک اس دنیا کی محفل میں، میں خود کو بہت تنہا محسوس کر رہا تھا۔ لیکن آج میرے کئی دوست نکل آئے جو میری ہی طرح پُر عزم اور پُر یقین ہیں۔

Scanned with CamScanner